AL-'MUSLIM https://almuslim.pk/about-the-journal

(June, 2025), 1:2(1-19)

تفسیر تفہیم القرآن اور تفسیر ظلال القرآن کا تقابلی جائزہ

A Comparative Review of Tafsir Tafhīm al-Qur'ān and Tafsir Ẓilāl al-Qur'ān

Muhammad Irfan Khan Niazi
Lecturer،Wapda Cadit College Tarbela, KPK, Pakistan.

Keywords:
Syed Moududi, Syed Qutab Tafseer,
Comparative study.

Abstract: Allah Ta'ala revealed the Holy Qur'an for the growth and guidance of man and placed in it all the systems of life and servitude. While the secret of the progress of any nation lies in following the Quranic teachings and its wise order. The Holy Qur'an contains all the components and elements for the welfare of mankind. It is a self-evident matter that compliance with the Quranic teachings is possible only after understanding the Quran. "Tafheem al-Qur'an by Maulana Maududi and Tafsir zilal ul-Qur'an by Syed Muhammad Qutb" are also two of the sources of understanding the Qur'an, in which the authors, alihamar-rahma, convey the message of the Qur'an to the people by making it easy to understand. In the article under discussion, Rakim al-Haruf has to present a comparative review of both interpretations[1]

Neyazi Irfan Khan, (2025). ***A comparative review of Tafsir Tafihim- ul-Qur'an and Tafsir Zalal-ul-Qur'an****, Al-'Muslim Research Journal of Social Sciences* 1(2)

1. Corresponding author: ifia43@gmail.com

C

Content from this work is copyrighted by *Al-'Muslim Journal of Social Sciences*, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

اللہ تعالی نے قرآن کریم کو انسان کے رشد وہدایت کے لئے نازل فرمایااور اس میں زندگی وبندگی کے سارے نظام بھی رکھے۔اور قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل فرمایاجو عرب میں بولی اور بھی جاتی ہے۔ عرب کے علاوہ مختلف ممالک میں مخصوص اشخاص واہل علم عربی زبان سے واقف اور اس پر مہارت رکھتے ہیں مگر چونکہ اب قرآن صرف عرب تک محدود نہیں اسلام دنیا کے کونے کونے تک پھیلا ہوا ہے، جو ایمان والے بھی ہیں اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والے بھی ہیں مگر عربی زبان سے ناواقف ہیں۔

قرآن عزیز جو رشد وہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔علم تفسیر اسی سلسلہ میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

قرآن مقدس کو جب تک ہم اپنی زبان اردو میں ترجمہ وتفسیر کی صورت میں نہ سمجھیں گے تب تک ہمیں قرآن مقدس کی حقیقی معانی ومطالب سے آگاہی مشکل امر ہے،اسی لئے ترجمہ وتفسیر کی عوام الناس کو اس کی بے حد ضرورت ہے۔ جیسا کہ غلام احمد حریری صاحب رقم طراز ہیں:

"عصر حاضر میں عربی زبان وادب میں مہارت باقی نہیں رہی۔ عربی الاصل خاندانوں میں عربیت کی خصوصیات مفقود ہیں۔اس لئے اس دور میں علم تفسیر کی بیش از پیش ضرورت ہے۔کتاب الہی جو بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح اور ان کے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لئے نازل ہوئی ہے، عظیم علمی ذخائر کی جامع ہے۔ علم تفسیر ان خزینہ ہائے علم کی کنجی ہے۔ جس کے بغیر قرآنی علوم معارف کا باب ادا نہیں ہو سکتا۔خواہ لوگ قرآنی الفاظ کو دن میں ہزاروں مرتبہ دہراتے رہیں۔ان کا مفہوم ومعی تفسیر کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔"[1]

مذکورہ بالا سطور کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ ہمیں اور آج کے معاشرے میں تفسیر کی کتنی ضرورت ہے۔اور اس تفسیر قرآن کی افادیت کیا کیا ہیں۔اگر ہم تفسیر قرآن مجید کا صحیح طور پر مطالعہ کریں اور اس پر عمل کریں تو یقیناً ہمیں روشن اور تابناک زندگی مل سکتی ہے۔اور ہمارا کھویا ہوا وقار ہمیں واپس مل سکتا ہے۔نسخہ ہائے قرآن اور حفاظ کی کثرت کے باوصف، مسلمان جس تنزل وانحطاط میں مبتلا ہیں اس کی بڑی وجہ مندرجات قرآن سے لاعلمی کے سوا کچھ نہیں۔

ہمارے اسلاف کی ترقی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ قرآن مقدس کے درس ومطالعہ اور اس کے بحر معانی میں غواصی کرنے کی طرف مبذول کی۔اور اپنی تمام تر کوششوں کو فہم قرآن مجید پر صرف کیا اسی ضمن میں انہوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور خالص عربی آداب واطوار سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔اور اللہ،اس کے رسول ﷺ کی بندگی وغلامی میں رہ کر زندگی وبندگی کے معیار کو عروج کمال تک پہنچایااور آنے والی نسلوں کو درس دیا کہ اگر دارین میں کامیاب ہوتا ہے، زندگی وبندگی کے معیار کو پانا ہے تو قرآن مقدس جیسی عظیم کتاب کے قانون اور اس کے علوم وفنون کو اپنا عمل بناؤ تبھی کامیابی کی راہ مل سکتی ہے۔

تعارف مختصر عنوان تحقیق

1۔ غلام احمد حریری، **تاریخ تفسیر ومفسرین** (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز)، 55۔

"تفہیم القرآن از مولانا مودودی علیہ الرحمہ اور تفسیر ظلال القرآن از سیّد محمد قطب" بھی فہم قرآن کے ذرائع میں سے دو ذرائع ہیں جس میں مصنفین علیہما الرحمۃ اپنے پوری جانفشانی اور خلوص کاملہ سے پیغام قرآن کو آسان فہم بنا کر عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔زیر بحث مقالہ میں راقم الحروف نے دونوں تفاسیر کا تقابلی جائزہ پیش کرنا ہے۔

مولانا مودودی کا مختصر تعارف

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا سنِ ولادت 1321ھ بمطابق 1903ء ہے۔ جائے پیدائش اورنگ آباد دکن ہے اور آبائی تعلق سادات کے ایک ایسے خاندان سے ہے جو ابتداء میں ہرات کے قریب چشت کے معروف مقام پر آکر آباد ہوا تھا۔ اس خاندان کے ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے۔ سید مودودی کا خاندان خواجہ مودود چشتی کے نام نامی سے منسوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے۔[2] سید مودودی 1979 میں شدید علیل ہوگئے اور علاج کے لئے امریکہ روانہ ہوئے۔آپ 22 ستمبر 1979 شام پونے چھ بجے اللہ رب العالمین کو پیارے ہوگئے۔آپ کا جسد خاکی 25 ستمبر لاہور لایا گیا یہ آپ کا یوم پیدائش ہے آپ کے الفاظ اس لحاظ سے پورے ہوئے 26 ستمبر کو قذافی اسٹیڈیم میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا لاکھوں لوگوں نے شرکت کی ۔5،اے ذیلدار پارک جہاں آپ کا گھر ہے وہاں تدفین ہوئی۔[3]

تفہیم القرآن

اردو زبان کی جن تفاسیر کا ذکر ہم نے کیا ہے وہ سب اپنے دور کی ضروریات کو کسی حد تک پورا کرتی تھیں۔ان میں سے کوئی تفسیر بھی دور حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی تھی۔ بعض کی زبان مشکل تھی تو بعض میں تسلسل اور روانی نہیں تھی۔ان مذکورہ تفاسیر کے تناظر میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ذہن میں بھی یہ خیال موجود تھا کہ یہ تفاسیر اب بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ نہیں دے رہیں۔ وہ دور حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوئی،ایک ایسی مدلل، ہمہ جہت،اور آسان انداز میں لکھی گئی تفسیر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جو مغربی افکار و تصورات اور فلسفیانہ توجیہات کو ردّ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے جامع نظام زندگی ہونے کا تصور بھی پیش کرے۔ ۱۹۲۶ء میں جب سید مودودی اپنی اوّلین جامع تصنیف الجہاد فی الاسلام کی تخلیق کے لیے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کر رہے تھے۔ تو مطالعہ قرآن کے دوران میں انھیں احساس ہوا کہ قرآن محض تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ تحریک کی کتاب ہے۔اس لیے اسی کو بنیاد بنا کر دنیا میں اسی طرح عالم گیر تحریک قائم کی جاسکتی ہے جیسے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔[4]

اگست ۱۹۴۱ء میں سید مودودی نے اپنے اس احساس کو عملی شکل دیتے ہوئے، جماعت اسلامی کے نام سے اسلامی تحریک کی بنیاد رکھی۔اس موقع پر اس نوزائیدہ تحریک کی فکری رہنمائی فراہم کے لیے قرآن مجید کی ایک جامع اور عام فہم تفسیر کی ضرورت اور زیادہ شدت سے محسوس ہوئی۔ چنانچہ سید مودودی نے فروری ۱۹۴۲ء میں ترجمان القرآن کے صفحات پر تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اگرچہ آپ کو مختلف وجوہات کی بنا پر چار مرتبہ (چار سال، سات ماہ، انیس

2۔ سید اسعد، **سید مودودی جوانی بچپن بڑھاپا**، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص:2114

3- https://www.**nawaiwaqt**.com.pk/24-Sep-2016/511616

4۔ **آئین، تفہیم القرآن نمبر**، دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۱۱۵۔

دن کے لیے) جیل جاناپڑااور بیرون ملک دوروں کے ساتھ ساتھ اندرون ملک تنظیمی امور بھی انجام دیتے رہے لیکن تفسیر کا یہ سلسلہ بلا تعطل جاری رہا۔ سید مودودی کہتے ہیں :

''اس کتاب کے لکھنے کا سلسلہ میں نے اس وقت شروع کیا تھا جب میری زندگی کا سب سے طوفانی دور شروع ہوا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جماعت اسلامی اگست ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی اور میں نے یہ تفسیر فروری ۱۹۴۲ء میں لکھنی شروع کی۔''[5]

جس دور میں سید مودودی نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اس وقت مغربی فلسفے کے زیر اثر پروان چڑھنے والی تہذیب اور تعلیم نے مسلمانوں کو علمی و فکری اعتبار سے منتشر کر رکھا تھا۔ دین سے بیزاری اور الحاد نے فیشن کا روپ دھار لیا تھا۔ جدت پسندی، روشن خیالی اور آزادی نسواں کی آڑ میں عریانی، فحاشی، بے حیائی اور بے پردگی کو رواج دیا جا رہا تھا۔ سرمایہ دارانہ اور استحصالی نظام معیشت کے زیر اثر سود معاشی ترقی کے ایک ذریعے کا روپ دھار چکا تھا۔ مغربی ممالک کی معاشی ترقی سے متاثر مسلمان مفکرین اس خوش حالی کو ان ممالک کی مذہب سے بیزاری اور الحاد کا ثمر سمجھ رہے تھے۔ کثیر الملتی کمپنیاں اپنے کاروبار کے فروغ اور مارکیٹ کی توسیع کے لیے تمام پس ماندہ ممالک میں ایک خاص قسم کی تہذیب اور اقدار کے فروغ کے لیے کوشاں تھیں۔ مسلمانوں کی نوجوانوں نسل ان فتنوں سے مرعوب ہو کر اشتراکیت، قومیت، مغربی تہذیب، انکار حدیث جیسے فکری سیلاب میں بہہ رہی تھی۔ سید مودودی نے ان تمام افکار کی تہہ تک پہنچنے اور نوجوان نسل کے شک و شبہات دور کرنے کے لیے تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر ان افکار کا خصوصی طور پر مطالعہ کیا۔ آپ نے ہندو مذہب، بدھ مت، مسیحیت، یہودیت، دہریت اور مادہ پرستی کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے ان مذاہب و افکار کی بنیادی کتب اور ان کے زعماء کی سوانح کا بغور مطالعہ کیا۔ اس کے بعد پھر قرآن وسیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ شعوری طور پر یکسو ہو کر اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام سے زیادہ معقول اور مدلل مذہب اور پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے زیادہ مکمل رہنما اور کوئی نہیں ہے۔ بقول سید مودودی: ''میں محض دین آباء ہونے کی وجہ سے اسلام کا معتقد نہیں ہوا، بلکہ اپنی تحقیق سے، خوب جانچ پڑتال کر کے میں اس دین پر ایمان لایا ہوں۔[6]

اس کے بعد آپ نے جو کچھ اپنی تحقیق و تلاش کے نتیجے میں سمجھا اسے اصلاح امت کی خاطر عوام الناس تک منتقل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ کو محسوس ہوا کہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے وہ زیادہ سود مند اور نتائج کے اعتبار سے بہتر نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرتے ہوئے قرآن مجید کو اپنی دعوت کا مرکز و محور بنانے کا ارادہ کیا۔ فرماتے ہیں: ''مگر بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ دین پوری طرح لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک کہ براہ راست قرآن کے ذریعہ سے اسے نہ سمجھایا جائے۔[7]

سید مودودی نے جب تفسیر نگاری کا کام شروع کیا تو ان کے پیش نظر قرآن پاک کی مختصر تفسیر لکھنا تھا لیکن جیسے جیسے قرآنی مضامین کی وضاحت شروع کی تو تفصیلات بڑھتی چلی گئیں اور یہ تفسیر چھ جلدوں میں مکمل ہوئی۔ پہلی جلد ۱۹۵۱ء

۵۔ نفس مصدر۔
6۔ آئین، تفہیم القرآن نمبر، دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۱۱۵۔
7۔ نفسِ مصدر، ۱۱۳۔

میں مکمل ہوئی اور آخری ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد قدرے مختصر ہے۔ دوسری اور تیسری جلد اس سے زیادہ مفصل ہے۔ اسی طرح بالترتیب ہر اگلی جلد پہلی جلد سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پہلی جلد ساڑھے سات پاروں کی تفسیر ہے جب کہ آخری صرف ایک سورت اور دو پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ سید مودودی کی تفسیر نگاری کی صلاحیتیں تیسری جلد سے اپنے عروج پر نظر آتی ہیں۔ اس جلد اور مابعد ساری جلدوں میں قرآنی موضوعات پر وضاحت اور تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ سید صاحب کے نزدیک اس تفسیر کا بنیادی مقصد عام پڑھے لکھے افراد کی ضروریات کو پورا کرنا تھا۔ آپ نے تفہیم القرآن کے دیباچے میں اس مقصد کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس کام میں میرے پیش نظر علما اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں اور نہ ان لوگوں کی ضروریات جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔[8]''

اس مقصد کے پیش نظر آپ نے تفسیر کا انداز عام فہم اور زبان سلیس رکھی، لیکن اس سب کے باوجود آپ کی نثر زوردار ہے اور ادبی رنگ میں بھی کہیں کمی نظر نہیں آتی۔ قرآن کے لفظی تراجم کے برعکس آپ نے آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا۔ فرماتے ہیں:

''میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔[9]''

تعصب سے بالاتر ہو کر آزاد ترجمانی کے اس اسلوب کو اختیار کرنے کا مقصد آپ کے نزدیک یہ تھا کہ عام قاری قرآن مجید کے مطالعے کے دوران میں طویل لغوی، کلامی اور فقہی بحثوں سے دور رہ کر، اس کا مفہوم و مدعا صاف صاف سمجھتا جائے۔ قرآن مجید کا زور بیان، اعجاز کلام، روانی، بلاغت زبان اور تاثیر کلام بھی متاثر نہ ہو اور قرآن قاری پر جو اثر ڈالنا چاہتا ہے، وہ اسے پوری طرح سے قبول کرے۔

تفہیم القرآن کی امتیازی خصوصیات

سید مودودی کے نزدیک قرآن مجید کا معاملہ عام کتابوں کی طرح نہیں ہے جن میں مصنف موضوعات کو ایک خاص ترتیب سے رکھ کر ان کے مطابق اپنی گزارشات پیش کرتا ہے۔ یہ دراصل ایک اسلامی اور انقلابی تحریک کے لیے نازل کی گئی ہدایات پر مشتمل ایک ضابطہ ہے جسے بیک وقت نازل نہیں کیا گیا بلکہ اس تحریک دعوت و عزیمت کے تمام مراحل میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا۔ یہ ایک جامع صحیفہ ہدایت ہے جو تحریک دعوت و جہاد کے ابتدائی مراحل سے لے کر اس کے نقطہ عروج تک ہر مرحلے میں راہ نمائی کرتا ہے۔

بقول سید صاحب:

۸۔ نفسِ مصدر۔

۹۔ نفسِ مصدر، ۱:۶۔

"قرآن مجید ایک دعوت کے ساتھ اترنا شروع ہوا اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک تیئیس سال کی مدت میں جن جن مرحلوں اور جن جن منزلوں سے گزرتی رہی، ان کی مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔"[10]

ماخذ تفسیر تفہیم القرآن

تفسیر القرآن بالقرآن: سید مودودی نے اپنی تفسیر میں سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہی کو قرار دیا۔ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ بالترتیب، سب سے پہلے قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا ماخذ نبی کریم ﷺ سے منسوب تفسیری روایات ہیں۔ پھر اقوال و آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو سامنے رکھتے ہیں۔ آپ کا تصورِ تفسیر نہایت سادہ و دلکش ہے۔ کسی قسم کی غیر واضح اور متشابہ چیز آپ کے ہاں نہیں پائی جاتی۔ آپ کا بنیادی ماخذ چونکہ قرآن مجید ہے اس لیے آپ قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے تفسیر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے طرز عمل کی وضاحت اس طرح سے کرتے ہیں:

"ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ سے زائد کوئی مطلب لینا چار ہی صورتوں میں درست ہو سکتا ہے یا تو قرآن ہی کی عبارت میں اس کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو، یا قرآن میں کسی دوسرے مقام پر اس کی طرف کوئی اشارہ ہو یا کسی صحیح حدیث میں اس اجمال کی شرح ملتی ہو۔ یا اس کا کوئی اور قابل اعتبار ماخذ ہو۔"[11]

اسی طرح قرآن مجید کی تاویل و تعبیر کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: آپ قرآن مجید کی تاویل و تعبیر کا صحیح طریقہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ آپ جس آیت کے معنی سمجھنا چاہتے ہوں پہلے عربی زبان کے لحاظ سے اس کے الفاظ و ترکیب پر غور کریں۔ پھر اسے سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھیں، پھر اسی مضمون سے تعلق رکھنے والی جو دوسری آیات قرآن میں مختلف مقامات پر موجود ہیں ان کو جمع کر کے دیکھیں کہ زیر بحث آیت کی ممکن تعبیرات میں سے کون سی تعبیر ان سے مطابقت رکھتی ہے۔[12]

سید مودودی قرآن کی تفسیر میں احادیث سے رہنمائی لینے کے باوجود، بنیادی اہمیت قرآن کے معنی کو دیتے ہیں۔ اس اصول کے بارے میں آپ لکھتے ہیں: قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔[13]

تفسیر القرآن بالحدیث

سید مودودی تفسیر قرآن میں حدیث کو دوسرا بڑا ماخذ سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر میں جابجا احادیث نبوی سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ پہلی دو جلدوں میں احادیث کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ سید مودودی کہتے ہیں: "میں نے جگہ جگہ قرآن مجید کی آیات اور احکام کی تشریح میں معتبر احادیث نقل کی ہیں جن سے حدیث و قرآن کا تعلق بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے اور اس غلط فہمی کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ حدیث کے بغیر بھی قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بلکہ پڑھنے

10۔ سید ابو اعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، مقدمہ، ص ۲۵۔
11۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج ۴، ص ۳۳۴، حاشیہ: ۳۵۔
۱۲۔ مودودی، **رسائل و مسائل**، ج ۳، ص ۱۷۔
13 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج ۳، ص ۱۳، ۱۷، حاشیہ: ۹۱۔

والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کے بکثرت ارشادات و احکام کو آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا۔" [14]
بد قسمتی سے ہمارے تفسیری ادب میں بہت سی ضعیف روایات اور اسرائیلیات بھی شامل ہو گئیں ہیں۔اسرائیلیات، موضوعات اور ضعیف روایات کے ضمن میں ہمیں تفہیم القرآن میں جو انفرادیت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ سید مودودی روایات کو جوں کا توں قبول نہیں کرتے، بلکہ ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور جو روایات قرآن کے مجموعی نظم اور تاثر سے ٹکراتی ہیں ان کو رد کر دیتے ہیں۔ان کے ہاں روایات کو قبول کرنے یا رڈ کرنے کا معیار صرف قرآن کا نفس مضمون ہے۔ بہت سی ایسی روایات جو قبول عام کے بعد بڑے بڑے مفسرین کی تفاسیر میں موجود ہیں، سید مودودی نے ان کو قبول نہیں کیا۔اگر کہیں ان روایات کا حوالہ بھی دیا ہے تو ان پر نقد و جرح کے لیے دیا ہے۔روایات کے بارے میں سید مودودی کا تحقیقی اور تجزیاتی انداز ان کی تفسیر کو قرآنی موضوعات اور حقائق کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ تفہیم القرآن میں ایسی کئی روایات موجود ہیں جنھیں سید مودودی نے روایت اور درایت کے اصول پر پرکھنے کے بعد قبول یا رد کیا ہے۔
بطور مثال ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے والی روایات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ان کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور انھیں امام بخاری اور ان کے علاوہ کئی محدثین نے نقل کیا ہے۔[15]

اکثر مفسرین نے ان روایات کو اپنی تفاسیر میں جگہ دی ہے۔ روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مقامات پر جھوٹ بولتے ہیں۔ایک موقع پر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اپنی قوم کے استفسار پر فرمایا:قال بل فعله كبيرهم هٰذا فسئلوهم ان كانوا ينطقون[16]۔"یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے،ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں"۔ دوسرے موقع پر جب ان کی قوم نے ان سے میلے پر جانے کے لیے کہا تو آپ نے جواب دیا: فقال انی سقیم۔[17] پس انھوں نے کہا میں بیمار ہوں"۔ پہلے دونوں مقامات کا ذکر قرآن میں موجود ہے جبکہ تیسرے جھوٹ کا ذکر بائیبل (پیدائش ۱۱: ۱۲۔ ۲۰ اور ۲: ۲۰۔ ۱۶) میں موجود ہے، جب اہل مصر اور ابی ملک بادشاہ کے پوچھنے پر آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہؓ کو اپنی بہن بتایا۔
سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۶۴:
"انھوں نے پوچھا کیوں ابراہیم تونے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔اس نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ ان کے سردار نے کیا ہے ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں"، کے مختلف تراجم اور تفاسیر کا جائزہ لیتے ہیں کہ مختلف مفسرین نے اس سے کیا مراد لیا اور جھوٹ بولنے کی روایت کو کس طرح سے تفسیر میں شامل کیا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: "اس حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف تین جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے جو شان نبوت اور عصمت

14۔ آئین، **تفہیم القرآن نمبر**، ص۱۱۴۔
۱۵۔ امام اسماعیل البخاری، **صحیح بخاری**، کتاب حدیث الانبیا، نمبر: ۳۱۱۸۔ ۳۱۲۲۔
16۔ القرآن، الانبیاء۶۳:۲۱۔
17۔ القرآن، الصافات۸۹:۳۷۔

کے خلاف ہے مگر اس کا جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ ان میں سے ایک بھی حقیقی معنی میں جھوٹ نہ تھا یہ تو ''توریہ'' تھا جو ظلم سے بچنے کے لیے جائز و حلال ہوتا ہے وہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا''۔[18]

دوسرے جھوٹ کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''تقریر بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ''انی سقیم'' کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا: ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقعہ تھا۔ اس لیے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں بلکہ توریہ ہے۔''[19]

مولانا عبد الماجد دریابادی کہتے ہیں:

> ''حدیث صحیح میں ابراہیم خلیل اللہ کے اس قول کو کذب سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس سے منکرین حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی کے خلاف ایک طومار کذب باندھنے کا موقع مل گیا ہے۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کذب صرف صورۃً تھا۔''[20]

سید مودودی روایات کو سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود تجزیہ و تحقیق کے بعد قبول کرتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر متن میں کوئی قباحت ہو تو روایت کے صحیح ہونے پر اصرار مناسب نہیں ہے۔ آپ روایت کو عقل پر بھی پرکھتے ہیں اور استدلالی نقطہ نظر سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوئلہ اٹھا کر منہ میں رکھنے اور لکنت آجانے کی روایت زبان زد عام ہے، لیکن اس روایت کے بارے میں سید مودودی کا موقف بالکل مختلف ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''یہ قصہ اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر ہمارے ہاں تفسیروں میں بھی رواج پا گیا ہے لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے اس لیے کہ اگر بچے نے آگ پر ہاتھ مارا تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہ انگارے کو اٹھا کر منہ میں لے جا سکے۔ بچہ تو آگ کی جلن محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے منہ میں لے جانے کی نوبت کہاں آسکتی ہے۔''[21]

چنانچہ اس طرح سے روایات کے تجزیہ و تحقیق کے سبب سید مودودی کی تفسیر عقل عام کے لیے بھی متاثر کن ہے۔

محدود تفسیر بالرائے

سید مودودی نے اپنی تفسیر میں بعض معاملات میں اپنی فقہی آرا اور تحقیقات بھی بیان کی ہیں۔ اس لیے آپ کی تفسیر کسی حد تک تفسیر بالرائے بھی ہے، لیکن اسے ''تفسیر بالرائے المحمود'' کہا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے تفسیر بالرائے کے مسلک کو اختیار کرنے کے باوجود، قرآن مجید کی تفسیر و تفہیم میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے۔ آپ نے قرآنی الفاظ سے صرف وہی مفہوم مراد لیا ہے جو اس کے سیاق و سباق سے اخذ کیا جا سکتا تھا یا جتنی اجازت قرآن کے الفاظ دیتے ہیں۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

18۔ محمد شفیع، مفتی، **معارف القرآن**، (کراچی: ادارۃ المعارف، س ن)، ج۶، ص۱۹۹

19۔ عثمانی، شبیر احمد، **فوائد عثمانی**، (لاہور: نفیس پبلشرز، س ن)، ص۵۸۹۔19

20۔ دریابادی، عبد الماجد، **تفسیر ماجدی**، (لاہور: تاج کمپنی، ۱۹۷۵ء)، ص۲۶۷20

۲۱۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج۳، ص۱۶۷، حاشیہ 15۔

''قرآن کی تفسیر میں میرا مسلک یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں جس حد تک وسعت ہے میں اس کی حدود میں رہ کر اس کی تفسیر کرتا ہوں۔ان حدود سے باہر جا کر اپنے تخیل سے کوئی ایسی بات حتی الامکان بیان نہیں کرتا جس کی گنجایش الفاظ قرآن میں نہ ہو''۔[22]

معاصر علماء سے مشاورت و مکالمہ

سید صاحب نے یہ تفسیر تیس سال کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کی۔اس کی بہت ساری خصوصیات ایسی ہیں جو اسے دیگر تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔ان میں سے ایک بڑی اہم خصوصیت معاصر علماء سے مشاورت اور تفسیری نکات کے بارے میں ترجمان القرآن میں عام مباحثہ ہے۔ سید مودودی نے جب رسالہ ترجمان القرآن جاری کیا تو آپ کے پیش نظر مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قرآن سمجھانے میں معاونت کرنا اور ان شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا تھا جو قرآن کے مطالعے کے دوران میں پیدا ہو سکتے ہیں۔اس لیے آپ نے تفہیم القرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے، تسلسل کے ساتھ،اس رسالے میں شائع کیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تفسیر مسلسل تیس سال تک عام قارئین،اہل علم،اہلِ دین اور دانش ور حلقوں کے زیر مطالعہ رہی۔ایسا نہیں ہوا کہ سید صاحب نے کوئی انفرادی رائے قائم کی ہو اور چپکے سے اسے تفسیر کی صورت میں شائع کر دیا ہو۔اس تفسیر پر کھلے عام تنقید کا سلسلہ تیس سال تک جاری رہا۔ سید مودودی نے فراخ دلی سے اس پر ہونے والی تنقید کا نہ صرف خیر مقدم کیا بلکہ اپنی آراء سے رجوع کر کے، تفسیر پر نظر ثانی بھی کی۔اس سلسلے میں علماے کرام اور اہل دانش سے خط کتابت بھی کرتے رہے اور ان کی طرف سے پیش کیے گئے اعتراضات اور نکات کی روشنی میں اس تفسیر کو مزید نکھارا۔[23]

بصیرت افروز مقدمہ

تفہیم القرآن کی ایک منفرد خصوصیت اس کا طویل اور بصیرت افروز مقدمہ ہے۔ مودودی صاحب کے بقول: ''میں محض دین آبائی ہونے کی وجہ سے اسلام کا معتقد نہیں ہوا، بلکہ اپنی تحقیق سے خوب جانچ پڑتال کر کے میں اس دین پر ایمان لایا ہوں۔"[24]

سورتوں کا دیباچہ اور تعارف

سید صاحب کا ایک اور اجتہادی کارنامہ ہر سورۃ کا دیباچہ ہے۔ وہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مفصل اور جامع مقدمہ تحریر کرتے ہیں۔ یہ ابتدائی تعارف قرآن فہمی میں آسانی پیدا کرتا ہے اور قاری کے سامنے وہ سارا ماحول، منظر، پس منظر پیش کر دیتا ہے جس میں وہ سورت نازل ہوئی۔ قاری اس کے مطالعے سے یوں محسوس کرتا ہے گویا وہ خود اس ماحول کا حصہ ہے جس میں قرآن نازل ہو رہا ہے۔ آپ نے ہر سورۃ کے آغاز میں سورۃ کا نام، وجہ تسمیہ، زمانہ نزول، شانِ نزول، مرکزی موضوع، اجزائے مضامین اور اہم نکات لکھ کر قاری اور قرآن میں ایسا گہرا ربط پیدا کیا ہے کہ قاری دورانِ مطالعہ کسی آیت کی معنویت سمجھنے میں ذرا بھی تذبذب کا شکار نہیں ہوتا۔آپ کا خیال ہے کہ ہر سورۃ کا پس منظر

---

22 ۔ **مکاتیب** سید ابوالاعلیٰ مودودی، ج ۲، ص ۲۷۶۔

23 ۔ آئین، **تفہیم القرآن نمبر**، ص ۲۳۱۔

24۔ نفسِ مصدر، ۱۱۳۔

اور حالات نزول زمانی اعتبار سے بالکل مختلف تھے اس لیے ان کو سمجھے بغیر قرآن کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔اس لیے آپ نے دیباچے میں زمانہ نزول موضوع اور مضمون کے ساتھ جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں تاریخی پس منظر بھی دیا ہے۔ مثلاً، قرآن کی مختصر ترین سورۃ ''سورۃ الکوثر'' کا دیباچہ کافی طویل ہے۔اس میں سید صاحب نے سورۃ کے نزول کے تاریخی اسباب، نہایت سہل اور سادہ زبان میں پیش کیے ہیں۔اس سے قاری کے انہماک اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مکمل تاریخی شعور کے ساتھ سورۃ کے مفاہیم سے آگاہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر اسی سورۃ کے دیباچے میں نام اور احادیث و آثار کی مدد سے زمانہ نزول کے تعین کے بعد تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اس سورۃ کا نزول انتہائی کٹھن حالات میں ہوا تھا۔پوری قوم آپ سے دشمنی پر تلی ہوئی تھی۔آپ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے زندگی دوبھر کر دی گئی تھی۔یکے بعد دیگرے آپ کے دو بیٹوں حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہؓ کی وفات پر قریش نے بجائے آپ سے تعزیت اور تسلی دینے کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ (معاذاللہ) محمد ﷺ تو ایک ابتر (جڑ کٹے) آدمی ہیں۔ان کی کوئی اولاد نرینہ نہیں۔جب مر جائیں گے تو کوئی ان کا نام لینے والا نہیں ہوگا۔عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب اس مہم میں پیش پیش تھے۔یہ سارے حالات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد سید صاحب لکھتے ہیں:

''یہ تھے وہ انتہائی دل شکن حالات جن میں سورۃ کوثر حضور ﷺ پر نازل کی گئی۔۔۔آپؐ پر ایک کے بعد ایک بیٹے کی وفات سے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔اس موقع پر عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلے اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی و تعزیت کی بجائے وہ خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور وہ باتیں بنائی جا رہی تھیں جو ایک ایسے شریف انسان کے لیے دل توڑ دینے والی تھیں، جس نے اپنے تو اپنے غیروں سے بھی ہمیشہ انتہائی اچھا سلوک کیا تھا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مختصر ترین سورت کے ایک فقرے میں وہ خوش خبری سنائی جس سے بڑی خوش خبری دنیا کے کسی انسان کو کبھی نہیں دی گئی اور ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑ کٹ جائے گی''۔[25]

شان نزول

سید صاحب نے تمام سورتوں کے زمانہ نزول اور اسباب نزول کا تعین کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔قرآن مجید کی کسی سورہ کو سمجھنے کے لیے جس ذہنی، تاریخی، تمدنی اور تحریکی پس منظر کی ضرورت ہو سکتی تھی اسے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔شان نزول کا تعین کرنے کے لیے آپ نے روایات و آثار کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی داخلی شہادتوں کو بھی استعمال کیا ہے۔مثلاً، سورۃ الصف کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کسی معتبر روایت سے اس کا زمانہ نزول معلوم نہ ہو سکا لیکن اس کے مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً جنگ احد کے متصل زمانہ میں نازل ہوئی۔کیونکہ اس کے بین السطور جن حالات کی طرف اشارہ محسوس ہوتا ہے وہ اسی دور میں پائے جاتے تھے''۔[26] پروفیسر خورشید احمد کے بقول: ''تفہیم القرآن میں شان نزول کے مواد کو بڑے اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔صاحب تفہیم نے یہ کوشش کی ہے کہ قاری کے سامنے اس صورت حال اور اس کیفیت کو ایک حد تک تازہ کر دیں جس میں ایک سورۃ یا اس

25 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج۶ ص۱۰۸

26 ۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج۶ ص452

کے کچھ حصے نازل ہوئے۔۔۔ تفہیم القرآن صرف قرآن کے تصورِ حیات ہی کی مفسر نہیں، بلکہ اس میں تاریخ انبیااور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داعیانہ سیرت اور آپ کی قیادت وامامت میں کام کرنے والی اسلامی تحریک کی پوری تاریخ بھی آگئی ہے'' [27]

زبان وبیان

زبان وبیان کے لحاظ سے تفہیم القرآن ایک منفرد تفسیر ہے۔اس کی زبان نہایت سادہ، آسان اور دل میں اتر جانے والی ہے۔قرآنی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے سید صاحب نے آزاد ترجمانی کا انداز اختیار کیا ہے۔آپ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ اس کے سیاق وسباق میں کرتے ہوئے موزوں ترین الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح آپ نے ایک پوری پوری عربی عبارت کا مفہوم اردو زبان میں بیان کیا ہے۔اس طریقے سے عربی زبان سے ناواقف قاری کے ذہن میں پوری عبارت کا جامع خاکہ بن جاتا ہے۔

آپ قرآن کی عربی عبارت سے جو مفہوم اخذ کرتے ہیں، اسے اردو زبان میں منتقل کرتے ہوئے اپنے اختیار کیے گئے ترجمہ کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ایک جگہ لکھتے ہیں: ''متن میں لفظ ''یَتَوَفّٰکُمْ'' ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ''جو تمھیں موت دیتا ہے''،لیکن اس لفظی ترجمے سے اصلی روح ظاہر نہیں ہوتی اس ارشاد کی روح یہ ہے کہ وہ جس کے قبضے میں تمھاری جان ہے اور جو تم پر ایسا مکمل حاکمانہ اقتدار رکھتا ہے کہ جب تک اس کی مرضی ہو اس وقت تک تم جی سکتے ہو''۔ [28]اس لیے سید مودودی اس لفظ کا ترجمہ کرتے ہیں ''جس کے قبضے میں تمھاری موت ہے''۔ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ترجمے میں محض اردو زبان کے حسن کلام کی خاطر وہ اسلوب اختیار کیا ہے''۔[29]

فقہی معاملات میں مسلکی تعصب سے پرہیز

آپ عام طور پر قرآن پاک کی تفسیر قرآن ہی سے کرتے ہیں پھر احادیث اور اقوال صحابہ کو معیار بناتے ہیں۔آپ فقہی احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کبھی تو فقہاء کی مختلف آرا اپنی ذاتی رائے بیان کیے بغیر، پیش کر دیتے ہیں اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ اپنی عقل سلیم سے کس رائے کو ترجیح دیتا ہے۔ کبھی مختلف آراء کا موازنہ قرآن و سنت سے کرکے، دلیل کی بنیاد پر کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کی تفسیر میں یہ جملہ اکثر مقامات پر ملتا ہے۔''اس مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لیے قرآن پاک کے حسب ذیل مقامات کو نگاہ میں رکھیے'' گویا وہ قاری کے ذہن میں ہر وقت قرآن ہی کی اہمیت اجاگر رکھنا چاہتے ہیں۔آپ مسلکاً حنفی ہونے کے باوجود بعض اوقات حنفی مسلک سے بھی اختلاف کرتے ہیں۔ سید مودودی مقام اختلاف کی نشان دہی کرتے ہوئے اعتدال اور توازن سے کام لیتے ہیں۔ان کی شعوری طور پر یہ کوشش رہی ہے کہ تفہیم القرآن کسی خاص مسلک کی نمائندہ تفسیر نہ بن جائے۔ تفہیم القرآن میں جا بجا فقہی مکاتب فکر کا تقابل نظر آتا ہے۔ مثلاً، سورۃ البقرۃ کی آیت: ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ''(۲:۲۲۹)(اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے، تو ان دونوں کے درمیان یہ

27 ۔ پروفیسر خورشید احمد، **آئین، تفہیم القرآن نمبر**، مقالہ، ص۲۶

28 ۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج۲، ص۳۱۵، حاشیہ ۱۰۷۔

29 ۔ ایضاً، ۲۹۶، حاشیہ ۷۹

معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

''جمہور کے نزدیک خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے مگر ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں متعدد روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی اور اسی کے مطابق حضرت عثمانؓ نے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا۔[30]

فقہی معاملات میں اعتدال اور توازن کی ایک مثال یہ بھی ہے۔ لکھتے ہیں: ''امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ امام کی قرأت خواہ جہری ہو یا سری، مقتدیوں کو خاموش ہی رہنا چاہیے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ صرف جہری قرأت کی صورت میں مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیے، لیکن امام شافعی اس طرف گئے ہیں کہ جہری اور سری دونوں صورتوں میں مقتدیوں کو قرأت کرنی چاہیے کیونکہ بعض احادیث کی بنا پر وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔[31]

صرف اتنا ہی نہیں تفہیم القرآن میں سید مودودی نے اپنی آرا کا بھی اظہار کیا ہے جو ان کی علمیت، معتدل مزاجی، استدلال اور حقیقت پسندی کی عکاس ہیں۔ ایسے معاملات میں سید مودودی ایک مخلص محقق کی طرح جس رائے کو قرآن وسنت کے قریب پاتے ہیں اسے اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ النساء کی آیت: حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم (سورۃ النساء ۲۳:۴) (تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں۔۔۔) کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ ناجائز تعلقات کے نتیجہ میں جو لڑکی ہوئی ہو وہ بھی حرام ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک وہ بھی جائز بیٹی کی طرح محرمات میں سے ہے اور امام شافعی کے نزدیک وہ محرمات میں سے نہیں ہے۔ مگر درحقیقت یہ تصور بھی ذوق سلیم پر بار ہے کہ جس لڑکی کے متعلق آدمی یہ جانتا ہو کہ وہ اسی کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہو۔[32]''

جدید علم الکلام

تفہیم القرآن کی ایک اور انفرادیت نیا علم الکلام ہے۔ سید مودودی سے پہلے بھی تفاسیر میں کلامی مسائل پر مباحث ملتے ہیں لیکن ان میں کہیں تو اسلام کے بنیادی عقائد میں اشتباہ پیدا کیا گیا ہے اور کہیں مغربی فکر کے زیر اثر معجزات سے انکار ہے۔ کہیں انداز اتنا فلسفیانہ ہے کہ بات مزید الجھتی دکھائی دیتی ہے۔ سید مودودی اپنی تفسیر میں پہلے تو مغربی فلسفے کے زیر اثر پروان چڑھنے والی فکر کی تردید کرتے ہیں اور پھر اس فکر سے توحید، آخرت، معجزات اور نبوت میں پیدا کردہ اشکالات کی قرآن وسنت کی روشنی میں سائنسی استدلال کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ نبوت کے حوالے سے ان کا کہنا ہے: ''قرآن مجید کی رو سے یہ اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جس کے ماننے اور نہ ماننے پر کفر وایمان کا انحصار ہے۔ ایک شخص نبی ہو اور آدمی اس کو نہ مانے تو کافر، اور وہ نبی نہ ہو اور آدمی اس کو مان لے تو کافر''۔[33]

۳۰۔ مودودی، تفہیم القرآن، ج۱، ص۱۷۶، حاشیہ: ۲۵۲

۳۱۔ ایضاً، ج۲، ص۱۱۴، حاشیہ: ۱۵۳۔

32۔ نفس مصدر، ج۱، ص۳۳۷، حاشیہ ۳۵۔

33۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، ج۴، ص۱۵۱، حاشیہ: ۷۷، ضمیمہ ختم نبوت۔

معجزات کا اثبات

مغرب سے مرعوب اور عقلیت کے فریب میں مبتلا اذہان کو سب سے زیادہ دقت معجزات کے سلسلے میں پیش آئی ہے۔ قرآن کے معجزات کو تسلیم کرنا انھیں عقل کے خلاف لگا۔ اس لیے معجزات کی حقیقت سے یا تو انکار کیا گیا یا اہل عقل کو مطمئن کرنے کے لیے ان کی ایسی تاویلیں کی گئیں جو قرآن کے مفہوم سے یکسر مختلف تھیں۔ سید مودودی نے اپنی تفسیر میں سائنسی طریق پر معجزات کے بارے میں بحث کی ہے۔ آپ کا انداز اور رویہ کہیں بھی معذرت خواہانہ نہیں ہے۔ آپ نے کسی سے مرعوب ہوئے بغیر قرآن کے معجزات کو قرآن کے سیاق وسباق میں پیش کیا ہے۔ جب بھی اللہ کے انبیاء نے اپنی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے جواب میں ان سے کوئی ایسی نشانی مانگی جو ان کی صداقت کو ثابت کر سکے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

"اس مطالبہ کے جواب میں انبیاء نے وہ نشانیاں دکھائی ہیں جن کو قرآن کی اصطلاح میں "آیات" اور متکلمین کی اصطلاح میں "معجزات" کہا جاتا ہے۔ ایسے نشانات یا معجزات کو جو لوگ قوانین فطرت کے تحت صادر ہونے والے عام واقعات قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ درحقیقت کتاب اللہ کو ماننے اور نہ ماننے کے درمیان ایک ایسا موقف اختیار کرتے ہیں جو کسی طرح معقول نہیں سمجھا جاسکتا۔۔۔ معجزات کے باب میں اصل فیصلہ کن سوال صرف یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلا دینے کے بعد معطل ہو چکا ہے اور اب اس چلتے ہوئے نظام میں کبھی کسی موقع پر مداخلت نہیں کر سکتا۔۔۔ جو لوگ اس سوال کے جواب میں پہلی بات کے قائل ہیں ان کے لیے معجزات کو تسلیم کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ معجزہ نہ تو ان کے تصور خدا سے میل کھاتا ہے اور نہ تصورِ کائنات سے۔ لیکن ایسے لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر وتشریح کی بجائے اس کا صاف صاف انکار کر دیں"۔[34]

جامع اشاریہ

تفہیم القرآن کی ایک اور منفرد خوبی اس کا اشاریہ ہے۔ سید صاحب نے قرآنی موضوعات اور مباحث کے متعلق، حروف ابجد کی ترتیب کے ساتھ، ہر جلد کے آخر میں موضوعات کا اشاریہ شامل کیا ہے۔ اس سے قاری کے لیے قرآن کے تمام موضوعات، مباحث، اور عنوانات تک رسائی نہایت آسان ہو گئی ہے اور اشاریے کی مدد سے کسی بھی موضوع پر نقطۂ نظر کو جاننا بھی سہل ہو گیا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد نے لکھا ہے: تفہیم القرآن میں جو اشاریہ تیار کیا گیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ قرآن اور تفہیم القرآن کے تمام اہم مباحث کا آئینہ ہے"۔[35]

منفرد طرز استدلال

سید مودودی کے ہاں استدلال کا ایک خاص رنگ پایا جاتا ہے جو اس سے پہلے ہمارے دینی اور تفسیری ادب میں کم ہی نظر آتا ہے۔ اکثر مفسرین اور علما نے یا تو جدید مسائل سے بالکل تعرض نہیں کیا یا ان کو بیان کرنے کے لیے روایتی انداز اختیار کیا۔ آپ نے قرآن کی تفسیر میں استدلالی انداز اس لیے اختیار کیا کہ نئی نسل ہر چیز کو دلائل کی بنیاد پر پرکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ آپ کے طرز استدلال کی بنیاد زورِ بیان یا جوش جذبات پر نہیں تھی، بلکہ دلائل کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ قاری کی ذہنی عقلی اور فکری تشفی ہو۔ آپ اپنی تحریر میں نکات کو ایسے ترتیب دیتے ہیں کہ قاری ان کی رائے سے اتفاق کر لیتا اور ان کے دلائل کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ لکھتے ہیں: "کسی کو معبود

34 ۔ مودودی، تفہیم القرآن ج۲، ص۶۵۔۶۶، حاشیہ: ۸۷۔

35 ۔ پروفیسر خورشید احمد، آئین، **تفہیم القرآن نمبر**، کتاب انقلاب، تفہیم القرآن، ص ۳۱

بنانے کے لیے لا محالہ کوئی معقول وجہ ہونی چاہیے۔ایک معقول وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی ذات میں معبودیت کا کوئی استحقاق رکھتا ہو۔دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ آدمی کا خالق ہو اور آدمی اپنے وجود کے لیے اس کا رہین منت ہو۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ آدمی کی پرورش کا سامان کرتا ہو اور اسے رزق یعنی متاع زیست بہم پہنچاتا ہو۔چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدمی کا مستقبل اس کی عنایات سے وابستہ ہو اور آدمی کو اندیشہ ہو اس کی ناراضی مول لے کر وہ اپنا انجام خراب کر لے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان چاروں وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی بت پرستی کے حق میں نہیں ہے بلکہ ہر ایک خالص خدا پرستی کا تقاضا کرتی ہے۔[36]

سیّد قطب شہید کا مختصر تعارف

سیّد قطب شہید کے والد ابراہیم قطب، مصر کے ضلع اسیوط کے موشا، نامی گاؤں میں رہتے تھے۔وہیں ۹؍اکتوبر ۱۹۰۶ء کو سیّد قطب کی ولادت ہوئی۔ان کا نام سیّد رکھا گیا اور قطب ان کا خاندانی نام تھا(یہاں لفظ 'سید' بطور نام ہے، سیّد زادہ' نہیں)۔آپ کی والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ آپ کی والدہ 'فاطمہ عثمان' ایک پڑھے لکھے عربی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔[37]

محمد قطب ابھی چند سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، چنانچہ والد کے انتقال کے بعد والدہ نے آپ کو دو بہنوں اور بڑے بھائی سید قطب کے ساتھ تعلیم کے لیے قاہرہ بھیج دیا۔ قاہرہ میں آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغازہ ہوا، وہیں سے ابتدائی اور ثانوی مرحلے کی تعلیم مکمل کی،ثانوی کے بعد آپ نے قاہرہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا،اور وہیں سے ۱۹۴۰ء میں انگلش لٹریچر سے گریجویشن کیا،اور اس کے بعد سائیکولوجی میں ڈپلومہ کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد تدریس کے میدان سے وابستہ ہو گئے،اور درمیان میں کچھ کچھ عرصے کے وقفے کے ساتھ زندگی بھر درس وتدریس کے میدان میں لگے رہے۔ابتدا میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے،اس کے بعد وزارت معارف کے شعبہ ترجمہ میں ملازمت اختیار کی، تقریباً پانچ سال تک وہاں ملازمت کی،اور پھر دوبارہ تدریس کے میدان میں آگئے،اور تقریباً دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، جس کے بعد وزارت تعلیم کے ایک پروجیکٹ میں لگ گئے۔پھر ابتلاء وآزمائش کا طویل دور شروع ہوا، جس کے نتیجے میں ایک وقت آیا کہ وطن چھوڑ کر سعودی عرب کی جانب ہجرت پر مجبور ہو گئے۔وہاں جانے کے بعد بھی جب تک صحت رہی درس وتدریس ہی سے وابستہ رہے، اور وہاں کی مختلف بڑی یونیورسٹیز میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔[38]

تعارف تفسیر ظلال القرآن

سید قطبؒ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سرگرم زندگی گزاری اور قید وبند کی مشکلات جھیلیں، لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔ ان کا علمی کام مختلف جہات میں ہے۔العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اسلام میں عدل

۳۶۔ مودودی، **تفہیم القرآن**،ج۳،ص۶۸۸،حاشیہ:۲۹۔

37. https://rafeeqemanzil.com/%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF-%D9%82%D8%B7%D8%A8%D8%92/

اجتماعی)، معالم فی الطریق (جادہ و منزل)، ھٰذا الدین، المستقبل لھٰذا الدین (اسلام کا روشن مستقبل)، السلام العالمی و الاسلام (امنِ عالم اور اسلام) اور النقد الادبی ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

قرآن مجید کے ادبی پہلو پر ان کا کام قابل قدر ہے۔اس موضوع پر ان کی تصانیف: التصویر الفنّی فی القرآن'(قرآن مجید کے ادبی محاسن) اور مشاھد القیامۃ فی القرآن (مناظر قیامت) شہرت رکھتی ہیں۔ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' کو عالمی سطح پر شہرت حاصل ہوئی اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔اس تفسیر کا زیادہ تر حصہ انہوں نے قید و بند کے دوران ہی لکھا تھا۔

تفسیر ظلال القرآن کا منہج واسلوب

جب سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن پر عمیق نظر ڈالتے ہیں تو واضح ہو کہ فی ظلال القرآن تفسیری سرمایہ کی گراں قدر، عظیم اور انفرادی اہمیت کی حامل تفسیر ہے۔ سید قطب کا سب سے عظیم کارنامہ ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' ہے۔ یہ اصطلاحی معنوں میں تفسیر نہیں ہے اور نہ متداول تفاسیر کے اسلوب میں اسے لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ان تاثرات سے عبارت ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران ان پر طاری ہوئے، لیکن ان تاثرات کو مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے کہ قرآن کی ہر آیت میں دعوت واصلاح اور تنبیہ و نصیحت اور نورِ عرفان کے جو سمندر رواں ہیں ان کا عکس کاغذ کے صفحات پر منتقل ہوتا نظر آتا ہے۔

کتب تفسیر سے استفادہ

سیّد قطب نے فی ظلال القرآن میں تمام معروف تفاسیر سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور ان سے اخذ کردہ معلومات کو اپنی تفسیر میں ایسے ماہرانہ انداز میں سمو دیا ہے کہ یہ تفسیر ادبی مقالات کا مجموعہ نہیں بلکہ معلومات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔

اسرائیلیات سے اجتناب

بڑے بڑے مفسرین کرام اپنی تفاسیر کو اسرائیلیات سے محفوظ نہیں رکھ سکے لیکن سیّد قطب نے فی ظلال القرآن کو مکمل طور پر اسرائیلیات سے خالی رکھا اور حضور ﷺ کے اس فرمان پر عمل پیرا رہے کہ انکی راویات کا انکار کرو اور نہ اقرار۔

عقائد باطلہ اور تأویلات مختلف کے نزاعات سے مبرا تفسیر

معتزلہ، خوارج، اشاعرہ، ماتریدیہ اور فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے نزاعات سے جو عام عربی تفسیروں میں ملتے ہیں، یہ تفسیر خالی ہے۔

اسلامی تحریک کا داعی تفسیر

پوری تفسیر کے اندر ایک ایسی شفّاف اور پاکیزہ روح جلوہ گر نظر آتی ہے جو یقین واذعان کی دولت اور ایمان وعقیدہ کی گہرائی اور صبر وعزیمت کی نعمت سے لب ریز ہے۔اس چیز نے تفسیر کو ایک متحرک زندگی اور رواں دواں اسلامی تحریک کی کتابِ ہدایت کی شکل دے دی ہے۔[39]

فی ظلال القرآن کی خصوصیات

اس کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں

علمی وفکری انداز

یہ ایک علمی وفکری تفسیر ہے۔اس میں قرآنی آیات اور قرآنی تعلیمات پر علمی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔اس کے مطالعہ سے جاہلی ومغربی افکار کا لچر ہونا بھی واضح ہوگا۔

سائنسی مباحث/سائنٹفک تفسیر

ظلال القرآن ایک سائنٹفک تفسیر ہے۔اس میں سائنس اور مغربی علوم کی معلومات کو قرآنی تعلیمات کی تفہیم وتائید کے لیے بہت عمدگی اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

آیات کی گروپ بندی

تفسیر فی ظلال القرآن فہمِ قرآن کے لحاظ سے بہت مفید ہے۔مفسر پہلے پوری سورت پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں، پھر آیات کے مختلف گروپ بنا کر ہر گروپ پر الگ الگ بحث کرتے ہیں، پھر ہر آیت پر گفتگو کرتے ہیں۔اس طرح ایک ایک آیت کئی کئی بار زیر بحث آتی ہے اور اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

جدید انداز تفسیر

تفسیر کا انداز میں جدت ہے اور دور حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر تفسیر کی گئی ہے، مگر اسی کے ساتھ اسمیں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ سلف کے مسلک سے ٹکراتی نہیں۔

دعوتی منہج

تفسیر فی ظلال القرآن بہترین دعوتی تفسیر ہے۔مفسر ہر آیت کی مجمل تشریح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے مضمون کو واضح کر کے ایک مختصر سی تقریر کر دیتے ہیں۔اس لحاظ سے اسلام کی دعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

تفسیر فی ظلال القرآن کی خوبیاں

1۔ یہ ایک تحریکی وانقلابی تفسیر ہے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مفسر کی مشہور انقلابی کتاب 'معالم فی الطریق'، جس کی بنیاد پر انہیں حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام لگا کر تختۂ دار پر چڑھایا گیا تھا،اس کے چار ابواب اسی تفسیر سے ماخوذ ہیں۔

2۔ یہ بہترین تربیتی تفسیر ہے۔اس میں تعلق باللہ، توکل علی اللہ، خشیت، انابت، اللہ کی رضاجوئی، فکرِ آخرت، اتباعِ رسول، اسلامی کردار واخلاق اور اسلام کے تقاضوں کی ادائیگی پر اتنا زور اور ذہن، قلب، روح، ضمیر اور وجدان ہر ایک کی تربیت

39۔ جادہ ومنزل، ص ۴۲۔۴۴

کا اتنا سامان ہے کہ دل ایمانی جذبات سے معمور ہو جاتا، روح جھوم اٹھتی اور ضمیر و وجدان کو ان کی بھر پور غذا ملتی ہے اور مومن اسلام کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

3- یہ ایک ادبی وذوقی تفسیر ہے۔ مفسر نے قرآن کے ادبی حسن اور اس کے اعجاز کو بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ یہ قیمتی بحثیں اردو تفاسیر تو کجا، عربی تفاسیر میں بھی نہیں مل سکتیں۔ مفسر نہ صرف قرآنی آیات اور ان کے اسالیب کا حسن، بلاغتِ کلام اور ادبی اعجاز واضح کرتے ہیں، بلکہ قرآنی آیات کے آہنگ کی نغمگی و ترنم کو بھی نمایاں کرتے ہیں اور آیت کے مضمون سے اس کے ربط کو واضح کرتے ہیں۔

4- ایک بہترین تربیتی تفسیر ہے۔اس میں تعلق باللہ، توکل علی اللہ، خشیت الہیہ، انابت، اللہ کی رضاجوئی، فکرِ آخرت، اتباعِ رسول، اسلامی کردار واخلاق اور اسلام کے تقاضوں کی ادائیگی پر اتنا زور اور ذہن، قلب، روح، ضمیر اور وجدان ہر ایک کی تربیت کا اتنا سامان ہے کہ دل ایمانی جذبات سے معمور ہو جاتا، روح جھوم اٹھتی اور ضمیر و وجدان کو ان کی بھر پور غذا ملتی ہے اور مومن اسلام کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

نتیجۃ البحث

سید مودودی کے دلائل بالکل واضح ہوتے ہیں۔ آپ پہلے ایک مقدمہ قائم کرتے ہیں اور پھر بتدریج اس کے نتیجے کی طرف بڑھتے ہیں۔ پھر آخر میں نہایت محکم اور متاثر کن دلائل سے بات قاری کے ذہن میں اتار دیتے ہیں، سید مودودی اپنے طرز استدلال کو موثر بنانے کے لیے بعض اوقات نہایت دل چسپ مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ جو مثالیں بیان کرتے ہیں وہ نہ صرف عام فہم سہل سادہ اور دلچسپ ہوتی ہیں بلکہ ہمارے ارد گرد کے ماحول سے تعلق رکھتی ہیں، مسلکی تعصب سے بالا تر جامع اور مختصر الفاظ ہوتے ہیں قاری جب قرآن کریم پڑھتا ہے تو مفہوم قرآن دل میں اترتا جاتا ہے۔

جبکہ فی ظلال القرآن ایک علمی تفسیر ہے، بیک وقت دعوتی، علمی و ادبی تفسیر ہے۔ جو خوبی اسے بقیہ تفاسیر سے ممتاز بناتی ہے وہ سائنٹیفک انداز تفسیر ہے جس میں جدید اسلوب کو لیا گیا ہے اور دور جدید کے تمام مسائل کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ سیّد قطب ایک تحریکی شخصیت تھے، اس لیے انکی تفسیر میں تحریکی انداز بھی چھلکتا نظر آتا ہے۔

سفارشات

دونوں تفاسیر کو تفصیلا دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ پاکستان میں تفہیم القرآن پر کافی مقالاجات اور مضامین لکھے جا چکے ہیں جبکہ فی ظلال القرآن پر بہت کم کام ہوا ہے۔ جس پایہ کی یہ تفسیر ہے اس پر تحقیقاتی کام ہونا چاہیے۔ مختلف مجلات میں اس پر آرٹیکل شائع ہونے چاہیئے۔ دوسری تفاسیر کے ساتھ تقابلی جائزے پیش کرنے چاہیے، چونکہ یہ عربی کی تفسیر ہے لیکنن اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اب اردو کے جدید تفاسیر کے ساتھ اسکے تقابلی، اختصاصی اور تنقیدی جائزے پیش کرنے چاہیے۔ تاکہ قارئین کے لیے یہ مزید دلچسپی کا سامان بنے اور پڑھ کر توشہ نجات تیار کریں۔

Bibliography

1. Al-Qur'ān
2. 'Abd al-Ṣamad Ṣārim, Qāḍī, Tabyān al-Rāsikh al-Ma'rūf bi-Tārīkh al-Tafsīr, Karāchī: Mīr Muḥammad Kitāb Khānah Ārām Bāgh, 1355 AH
3. Jadīd Maghribī Fikr awr Sir Sayyid kī Tafsīr al-Qur'ān kē Tafsīlī Tajziyē kē Liyē Dīkhyē: Muḥammad Shihāb Manj, Dākṭar, Sir Sayyid Aḥmad Khān kī Tafsīrī Tajaddud Pasandī - Ek Muṭā'alah, Dar Ma'ārīfah al-Sharī'ah, Gujrānwālah, Jūn ta'Shtambar 2010 CE
4. Ḥālī, al-Ṭaf Ḥusayn, Ḥayāt Jāvīd, Mīrpūr: Arslān Baks, May 2000 CE
5. 5. Parvēz Ṣāḥib kī Tafsīr Maṭālib al-Furqān kē Nām sē 1975 CE mein Shā'i'ah hu'ī
6. Imtiyāz Aḥmad, Dākṭar, Mawlānā Mūdūdī kī Nuthr Nigārī
7. Gīlānī, Sayyid As'ad, Sayyid Mūdūdī Jawānī Bachchpan Paḍhāpā, Idārah Tarjumān al-Qur'ān
8. Tharwat Ṣulṭ, Mawlānā Mūdūdī kī Taqārīr, Islāmī Publications
9. Ā'īn, Tafhīm al-Qur'ān Numbur, Disambir 1972 CE
10. Sayyid Abū al-'Alā' Mūdūdī, Tafhīm al-Qur'ān, Muqaddimah
11. Mūdūdī, Rasā'il wa Masā'il, Jīlḍ 3, Ṣaḥīḥ 17-.
12. Imām Ismā'īl al-Bukhārī, Bukhārī, Kitāb Ḥadīth al-Anbiyā', Numbur
13. Muḥammad Shafī', Muftī, Ma'ārif al-Qur'ān, Karāchī: Idārah al-Ma'ārif
14. Uthmānī, Shabīr Aḥmad, Fawā'id 'Uthmānī, Lāhōr: Nafīs Publishers,
15. Daryābādī, 'Abd al-Mājid, Tafsīr Mājidī, Lāhōr: Tāj Kampanī, 1975 CE
16. Ā'īn, Tafhīm al-Qur'ān Numbur, Maqālah: Profīsar Khurshīd Aḥmad
17. https://rafeeqemanzil.com/%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF-%D9%82%D8%B7%D8%A8%D8%92/
18. https://rafeeqemanzil.com/%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF-%D9%82%D8%B7%D8%A8%D8%92/
19. https://urdu-daira-maarif-e-islam.blogspot.com/2018/06/blog-post_14.htm

20. https://groups.google.com/g/joinpakistan/c/6OUkOTgC9W0

21. http://habibblog88.blogspot.com/2018/08/blog-post.html

22. https://www.nawaiwaqt.com.pk/24-Sep-2016/511616